

## اقامتِ دین اور نفاذِ شریعت

### ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے اپنے رسولوں کے ذریعے جو تعلیمات اور ہدایات بھیجی ہیں، ایک مسلمان سے مطلوب یہ ہے کہ بے کم و کاست انھیں اختیار کرے، ان پر خود عمل کرے اور اللہ کے دوسرے بندوں تک انھیں پہنچائے۔ یہ عمل انفرادی طور سے بھی انجام دیا جاسکتا ہے اور اجتماعی طور سے بھی۔ ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ اپنی زندگی میں اس کا جن انسانوں سے بھی سابقہ پیش آئے اور وہ اس ہدایتِ رباني سے محروم ہوں، انھیں اس سے باخبر کرے اور اپنے قول اور عمل سے 'حق' کی شہادت دے۔ مسلمانوں سے اجتماعی طور پر بھی مطلوب ہے کہ ان میں سے ایک یا ایک سے زائد گروہ ایسے ضرور رہنے چاہیے جو اس کام کو اپنا مشن بنالیں اور منصوبہ بندی کے ساتھ اسے انجام دیں۔ قرآن و سنت کے بکثرت نصوص اس پر دلالت کرتے ہیں۔

#### جماعتِ اسلامی اور اقامتِ دین

اس دینی فریضی کی انجام دہی کے لیے بیسویں صدی عیسوی میں بر صغیر کی مشہور دینی تحریک 'جماعتِ اسلامی' کا قیامِ عمل میں آیا۔ تحریک کے اکابر نے اس کام کی اہمیت، ضرورت اور وجوب پر قابلِ قدر لڑپر تیار کیا ہے۔ انہوں نے بتایا ہے کہ اس کام کے واجب اور مطلوب ہونے پر قرآن و سنت کی متعدد تعبیرات دلالت کرتی ہیں، مثلاً دعوت، تبلیغ، وصیت، شہادت حق، امر بالمعروف و نبی عن المنکر، انذار و تبیح اور اقامتِ دین وغیرہ۔

جماعتِ اسلامی نے مذکورہ بالطبعات میں سے 'اقامتِ دین' کو اپنے دستور میں شامل کیا ہے اور اسے اپنا نصب اعین قرار دیا ہے۔ اس کے نزدیک:

ماہنامہ عالمی ترجمان القرآن، فروری ۲۰۲۱ء

اقامتِ دین سے مقصود دین کے کسی خاص حصے کی اقامت نہیں ہے بلکہ پورے دین کی اقامت ہے خواہ اس کا تعلق افرادی زندگی سے ہو یا اجتماعی زندگی سے۔ نماز، روزہ اور حج و زکوٰۃ سے ہو یا معيشت و معاشرت اور تمدن و سیاست سے۔ اسلام کا کوئی حصہ بھی غیر ضروری نہیں ہے۔ پورے کا پورا اسلام ضروری ہے۔ ایک مؤمن کا کام یہ ہے کہ اس پورے اسلام کو کسی تجزیہ و تقسیم کے بغیر قائم کرنے کی جدوجہد کرے۔ اس کے جس حصے کا تعلق افراد کی ابینی ذات سے ہے، ہر مؤمن کو اسے بطور خود اپنی زندگی میں قائم کرنا چاہیے، اور جس حصے کا قیام اجتماعی جدوجہد کے بغیر نہیں ہو سکتا، اہل ایمان کو مل کر اس کے لیے جماعتی ظلم اور سمجھی کا اہتمام کرنا چاہیے۔

اگرچہ مؤمن کا اصل مقصد رضاۓ الہی کا حصول اور آخرت کی فلاح ہے، مگر اس مقصد کا حصول اس کے بغیر ممکن نہیں ہے کہ دنیا میں خدا کے دین کو قائم کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس لیے مؤمن کا عملی نصب العین اقامتِ دین اور حقیقی نصب العین وہ رضاۓ الہی ہے جو اقامتِ دین کی سعی کے نتیجے میں حاصل ہوگی۔ (دستور جماعت اسلامی، دفعہ ۲۷ (نصب العین)، ص ۱۳-۱۵)

جماعتِ اسلامی نے اقامتِ دین کی یہ تعبیر سورہ شوریٰ کی درج ذیل آیت سے اخذ کی ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّينِ مَا وَحَدَّى بِهِ تُؤْمَنُوا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكُمْ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِلَيْهِمْ وَمُؤْسِى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَنْفَرُّوْقُوا فِيهِوْ (الشوریٰ ۱۳:۲۲)

(۱۳:۲۲) اس نے تمہارے لیے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے، جس کا حکم اس نے نوع کو دیا تھا اور جسے (اے محمد) اب تمہاری طرف ہم نے وہی کے ذریعے سے بھیجا ہے، اور جس کی ہدایت ہم ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دے پکے ہیں، اس تاکید کے ساتھ کہ قائم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ۔

#### پانچ اعتراضات

بعض حضرات جماعتِ اسلامی کے اس تصور پر مختلف اعتراضات کرتے ہیں اور چون کہ جماعت کی اختیار کردہ تعبیر اقامتِ دین سورہ شوریٰ کی مذکورہ بالا آیت سے مستنبط ہے، اس لیے

ان کے بعض اعتراضات اس آیت کے سیاق میں بھی ہیں:

ان کا پہلا اعتراض یہ ہے کہ ”اس آیت میں دین قائم کرنے کا حکم پیغمبروں“ میں سے حضرت نوحؐ، حضرت ابراہیمؐ، حضرت موسیٰؐ اور حضرت عیسیٰؐ کے ناموں کی صراحت سے دیا گیا ہے۔ اس لیے دین سے مراد صرف وہ چیز ہے جس کی طرف مسٹر کے درمیان مشترک ہیں، اس لیے وہ یہاں مراد نہیں ہو سکتیں۔“

دوسرा اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ ”جماعتِ اسلامی کے بانی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ (م ۱۹۷۹ء) نے اس آیت کی جو تفسیر کی ہے، وہ جہوں مفسرین سے مختلف ہے۔ تمام مفسرین نے اس آیت میں دین کو صرف ایمانیات تک محدود رکھا ہے، جب کہ مولانا مودودیؒ اس میں دین کے تمام احکام و جزئیات کو شامل کرتے ہیں۔“

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ ”یہ آیت مکنی دور میں نازل ہوئی تھی، اس لیے اس کا اطلاق زیادہ سے زیادہ صرف ان احکامِ دین پر کیا جاسکتا ہے، جو اس وقت تک نازل ہو چکے تھے۔ دیگر احکام کو اس میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔“

چوتھا اعتراض یہ ہے کہ ”اقامتِ دین کا حکم انفرادی طور پر ہے کہ ہر فرد اپنے طور سے دین پر عمل کرے۔ اس میں دوسروں کو دعوت دینے اور تبلیغِ دین کے لیے اجتماعی جدوجہد کرنے کا مفہوم نہیں پایا جاتا۔“

بعض حضرات نے پانچواں نکتے یہ ابھارنے کی کوشش کی ہے کہ ”قرآن سے احکامِ دین کے استنباط اور ان کے نفاذ کے لیے قرآن کی نزولی ترتیب کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔“

آئندہ سطور میں ان اعتراضات کا جائزہ لیا جائے گا۔

#### ’دین‘ کا مفہوم

سورہ سوری کی مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے آپؐ کے واسطے سے آپؐ کے پیروکاروں سے فرمایا ہے کہ میں نے تمھارے لیے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم نوحؐ، ابراہیمؐ، موسیٰؐ اور عیسیٰؐ کو بھی دیا گیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ طریقہ ان انبیاء کے درمیان مشترک ہے۔ اسی مضمون کی ایک آیت سورہ انعام میں

ہے۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ انبیاء کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا ہے:

أَوْلَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ تَعَالَى يَهْدِيهِمْ أَنْتَ شَهِيدٌ<sup>۶۰</sup> (انعام: ۶۰) یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ تھے، انھی کے راستے پر تم چلو۔

بھی مضمون بعض احادیث میں اس انداز سے مذکور ہے:

الْأَكْنِيَاءُ إِنْحُوَةٌ لِعَلَاتٍ وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ<sup>۱۱</sup> انبیاء سب علّاتی بھائی ہیں، ان کا دین ایک ہے۔

لیکن قرآن کی بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کو الگ الگ طریقے دیے گئے تھے، مثلاً سورہ مائدہ میں تورات، انجیل اور قرآن کا تذکرہ کرنے کے بعد ان پر ایمان لانے والوں سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لِكُلِّيْنِ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرِيعَةً وَمِنْهَا جَاءَ ط (المائدہ: ۵) ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت اور ایک راہ عمل مقرر کی۔

مذکورہ دونوں طرح کی آیات میں یہ تطبیق دی گئی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا جو طریقہ مشترک ہے، اس کا تعلق اصولِ دین سے ہے اور جس طریقے سے اشتراک نہیں ہے اس کا تعلق ذرائعِ دین سے ہے۔ امام رازیؒ نے لکھا ہے:

بعض آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ انبیاء و رسول کے طریقے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور کچھ آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے طریقے میں فرق ہے۔ (پھر اول الذکر کی مثال میں سورہ شوریٰ کی آیت ۱۳۳ اور سورہ انعام کی آیت ۹۰ اور شانی الذکر کی مثال میں سورہ مائدہ کی آیت ۳۸ ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے) دونوں طرح کی آیات میں جمع و تطبیق دیتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ نوع اول کی آیات سے ان چیزوں کی

<sup>۱۱</sup> صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، باب قَوْلِ اللَّهِ وَأَذْكُرْنَاهُ فِي الْكِتَابِ مَنْزَلَهُ: ۱۲۷؛ صحیح مسلم، کتاب الفضائل: ۱۲۵۔ علّاتی بھائی سے مراد ایک باب کی کئی صلبی اولادیں ہیں، جو الگ الگ ماوں سے ہوں۔ علّاتی، کے بال مقابل لفظ احیانی، آتا ہے جس سے مراد ایک ماں کی مختلف اولادیں ہیں، جو کئی باپوں سے ہوں۔

طرف اشارہ ہے جو اصولِ دین سے تعلق رکھتی ہیں اور نوعِ ثانی کا اشارہ ان چیزوں کی طرف ہے، جن کا تعلق فروعِ دین سے ہے۔<sup>۱۱</sup>

کیا 'دین' سے مراد صرف 'ایمانیات' ہیں؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اصولِ دین، جوانبیا کے درمیان مشترک ہیں، ان کے دائرة میں صرف ایمانیات و عقائد آتے ہیں، یا احکام و طاعات میں سے بھی بعض چیزیں ان میں شامل ہیں؟ قرآن کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمانیات کے علاوہ بعض دیگر چیزیں بھی ان میں شامل ہیں۔ مثال کے طور پر ہر بُنیٰ نے اپنی امت کو صرف اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس لیے 'عبادتِ الہی، اصولِ دین میں سے ہے۔ البتہ اس کے طریقے مختلف انسوں میں جدا جدیں، اس لیے ان کا شمار فروعِ دین میں ہوگا اور ہر امت اپنے اپنے طریقے کے مطابق عبادتِ الہی کی پابند ہوگی۔ آیت زیر بحث کی تفسیر میں تمام مفسرین نے لکھا ہے کہ اس آیت میں 'دین' سے مراد وہ امور ہیں جوانبیا کے درمیان مشترک ہیں۔ بعض مفسرین نے ان امور کی تفصیل بیان کی ہے اور ان میں ایمانیات کے علاوہ دیگر چیزوں کو بھی شامل کیا ہے۔ ذیل میں دو علماء کے بیانات درج کیے جاتے ہیں:

#### علامہ ابن العربي<sup>ؑ</sup> کی تفسیر

علامہ قاضی ابوکبر ابن العربي الاندلسی (م: ۵۲۲ھ) فقہ ماکلی کے مشہور عالم ہیں۔ ان کی کتاب احکام القرآن فقہی تفاسیر میں اہم مقام کی حاصل ہے۔ اسے تمام فقہی مسائل کے علماء کے درمیان مقبولیت حاصل ہے۔ اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں انہوں نے لکھا ہے:

اس سے مراد وہ اصول ہیں، جن میں کسی شریعت کا اختلاف نہیں ہے۔ یعنی توحید، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، نیک اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا تقریب، قلب اور اعضاء و جوارح کے ذریعے اس کی جانب میلان، سچائی، عہد کی پاس داری، امانت کی ادائیگی، صلح رحمی، کفر، قتل اور زنا کی محرومتوں، مخلوق کو اذیت نہ پہنچائی جائے، خواہ وہ کیسے ہی کام کریں،

<sup>۱۱</sup> التَّوْعُّ الْأَوَّلُ مِنَ الْآيَاتِ مَضْرُوْفٌ إِلَيْهِ مَا يَتَعَلَّقُ بِإِصْوَالِ الدِّيَنِ، وَالتَّوْعُّ الثَّانِيُّ، مَضْرُوْفٌ إِلَيْهِ مَا يَتَعَلَّقُ بِفُدُوْعِ الدِّيَنِ، التفسیر الكبير، رازی، المکتبة التوفيقية، تاہرہ، مجلد ۲، جزء ۱۲، ص ۱۱

جانور پر ظلم نہ کیا جائے، خواہ وہ کوئی بھی ہو، وقار کے خلاف گھٹیا کام کرنے کی حرمت۔  
یہ تمام چیزیں سب سے زیادہ مطلوب ہیں۔ ان کی حیثیت ایک دین کی ہے اور  
ہر ملت کا اس میں اشتراک ہے۔ جتنے بھی انبیاء آئے ہیں ان کے درمیان ان امور میں  
کوئی اختلاف نہیں رہا ہے۔ ان کے علاوہ دیگر امور میں شریعتوں میں اختلاف رہا  
ہے۔ مختلف زمانوں میں جس چیز کی مصلحت اور حکمت متقاضی ہوئی، اللہ تعالیٰ نے  
مختلف امتوں کے لیے وہ چیز مشروع کی۔ ①

### شah ولی اللہ کا موقف

شah ولی اللہ محدث دہلویؒ (م: ۱۱۷۶ھ) بر صغیر ہند میں بارہویں صدی کے مشہور عالم  
ہیں۔ ان کا شمار مجددین امت میں ہوتا ہے۔ ان کی تصنیف حجۃ اللہ ال بالغ، کو آفاقی شهرت حاصل  
ہے۔ اس میں انہوں نے زیر بحث موضوع پر تفصیل سے اظہار خیال کیا ہے۔ انہوں نے ایک باب  
قائم کیا ہے: باب بیان اصل الدین و احادیث الشرائع و المناهج مختلفہ (اس چیز کا بیان کہ دین  
کی اصل ایک ہے اور شرائع و مناجع مختلف ہیں)۔ اس باب کی ابتداء میں انہوں نے دونوں طرح کی  
آیات درج کی ہیں۔ انبیا کے درمیان اشتراک ظاہر کرنے والی آیات میں سورہ شوریٰ کی آیت ۱۳  
کے علاوہ یہ آیت بھی درج کی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ پیغمبروںؐ سے خطاب کر کے فرماتا ہے:  
 وَإِنَّ هُدْيَةَ أَمَّةٍ كُفُّرٍ أُمَّةٌ وَأَحَدَةٌ وَأَكَارِبُكُفَّرٍ فَأَتَتَّقُونَ ⑩ (المؤمنون: ۲۳: ۵۲) اور یہ  
تمحاری امت ایک ہی امت ہے اور میں تمھارا رب ہوں، پس مجھی سے تم ڈرو۔  
اور انبیا کے درمیان اختلاف ظاہر کرنے والی آیات میں سورہ مائدہ کی آیت ۲۸ کے  
علاوہ یہ آیت بھی درج کی ہے:  
 لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَذْسَكُهُمْ نَايسِكُوْهُ (الحج: ۲۲: ۲۷) ہر امت کے لیے ہم نے  
ایک طریق عبادت مقرر کیا ہے جس کی وہ بیروی کرتی ہے۔

①) احکام القرآن، ابن العربي، مطبعة السعادة، مصر، ۲/۲۰۵۔ شیخ بہی تشریف علام قرطبیؒ (م: ۱۷۴۱ھ) نے  
بھی کی ہے۔ ملاحظہ کیجیے: الجامع لاحکام القرآن، قرطبی، الحسینی المصریۃ العاملۃ، مصر، ۱۹۸۷ء، ۱۶/۱۱،

پھر لکھا ہے:

جان لو کہ دین کی اصل ایک ہے جس پر انبیا علیہم السلام متفق ہیں۔ اختلاف صرف شرائع و مناجع میں ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ تمام انبیا کا اس بات پر اجماع ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے؛ صرف اسی سے مدد چاہی جائے۔ اسے ان تمام چیزوں سے پاک قرار دیا جائے جو اس کی شان کے منافی ہیں، اس کے ناموں میں راہ حق سے انحراف نہ کیا جائے اور یہ کہ اللہ کا اپنے بندوں پر یہ حق ہے کہ اس کی خوب تعظیم کریں اور اس معاملے میں ذرا بھی کوتاہی نہ کریں۔ اس کے سامنے سرتسلیم خم کریں، اپنے دلوں کو اس کی جانب مائل کریں۔ اس کے شعائر کے ذریعے اس کا تقرب حاصل کریں، اور یہ کہ اس نے تمام واقعات کو ان کے موقع سے پہلے مقدر کر دیا ہے، اور یہ کہ اللہ کے ایسے فرشتے ہیں جو اس کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جس چیز کا بھی انھیں حکم دیا جاتا ہے، اسے کر گزرتے ہیں۔ اور یہ کہ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنی کتاب نازل کرتا ہے اور انسانوں پر اپنی اطاعت فرض قرار دیتا ہے۔ اور یہ کہ قیامت برحق ہے، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا برحق ہے، جنت برحق ہے، جہنم برحق ہے۔ اسی طرح انبیا کا نیکی کے مختلف کاموں (انواع البر) پر بھی امصار ہے، مثلاً طہارت، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور طاعات کے قبل کے نقلي کام، مثلاً دعا، ذکر، تلاوتِ کتاب اللہ کے ذریعے اللہ کا تقرب حاصل کرنا۔ اسی طرح نکاح، محمرت زنا، لوگوں کے درمیان قیامِ عدل، ایک دوسرے پر ظلم کی حرمت، اہل معاصی پر حدود کے نفاذ، اللہ کے دشمنوں کے ساتھ چہاد، اللہ کا کلمہ بلند کرنے اور اس کے دین کی تبلیغ و اشتاعت کے لیے جدوجہد پر بھی تمام انبیا کا اجماع ہے۔ یہ ہے دین کی اصل۔<sup>۱۱۱</sup>

شاہ ولی اللہ مزید لکھتے ہیں:

اسی لیے قرآن عظیم نے ان چیزوں کی حقیقت سے کوئی بحث نہیں کی، الاما شاء اللہ۔  
اس لیے کہ جن لوگوں کے درمیان ان کی زبان میں قرآن نازل ہو رہا تھا، ان کے

<sup>۱۱۱</sup> حجۃ اللہ الْبَالِغُه، شاہ ولی اللہ، کتب خانہ رشیدیہ، دہلی، ۱، ۸۷-۸۶/۱

درمیان وہ چیزیں مسلم تھیں۔ اختلاف صرف ان چیزوں کی صورتوں اور مظاہر میں ہے، مثلاً حضرت موسیٰ کی شریعت میں نماز کے لیے بیت المقدس کی طرف رُخ کرنے کا حکم تھا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں کعبہ کی طرف رُخ کرنے کا حکم ہوا۔ حضرت موسیٰ کی شریعت میں زانی کے لیے رجم کا حکم تھا اور ہماری شریعت میں شادی شدہ زانی کے لیے رجم اور غیر شادی شدہ زانی کے لیے کوڑوں کی سزا مقرر ہوئی۔ حضرت موسیٰ کی شریعت میں صرف قصاص کا حکم تھا اور ہماری شریعت میں قصاص اور دیت دونوں کا حکم دیا گیا۔ اسی طرح کا اختلاف دونوں شریعتوں میں عبادات کے اوقات، آداب اور اکان کے معاملے میں ہے۔ (ایضاً، ۸۷/۱)

### لفظ الدین<sup>۱</sup> اور جمہور مفسرین

ایک دعویٰ یہ کیا گیا ہے کہ ”قدیم و جدید تمام مفسرین نے زیر بحث آیت میں لفظ الدین کا اطلاق صرف ایمانیات پر کیا ہے، جن میں تمام شریعتوں کا اتحاد ہے، دیگر چیزوں کو شامل نہیں کیا گیا ہے“<sup>۲</sup>۔ یہ دعویٰ محتاج ثبوت ہے۔ اس کے جائزے کے لیے ذیل میں قدیم مشہور مفسرین کی کتابوں سے اس آیت کی تشریحات نقل کی جاتی ہیں:

حضراتِ تابعین میں مجاهد<sup>۳</sup> (م: ۱۰۰ھ)، قتادہ<sup>۴</sup> (م: ۱۱۸ھ) اور مقائل<sup>۵</sup> (م: ۱۵۰ھ) کو علم تفسیر کے میدان میں شہرت حاصل ہے۔ ان کے تفسیری اقوال مختلف کتب تفسیر میں منقول ہیں۔ مقائل<sup>۶</sup> فرماتے ہیں کہ دین<sup>۷</sup> سے مراد توحید ہے۔ <sup>۸</sup> قتادہ کا ایک قول یہ ہے کہ دین بیان توحید اور اخلاص اللہ کے معنی میں ہے۔ <sup>۹</sup> دوسرا قول یہ ہے کہ دین سے مراد یہ ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے اسے حلال سمجھا جائے اور جس چیز کو حرام قرار دیا ہے، اسے حرام سمجھا جائے۔ <sup>۱۰</sup>

مجاهد<sup>۱۱</sup> آیت زیر بحث کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

لَمْ يَيْمِنْ اللَّهُ بِمَا لَا يَكُنْ إِلَّا وَضَاءٌ بِإِقَامَةِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكُوْنَةِ وَالْأَقْرَارِ لِلَّهِ

<sup>۱</sup> زاد المسیر فی علم التفسیر، ابن الجوزی، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۹۸۷ء، ۷/۲۷

<sup>۲</sup> حوالہ سابق

<sup>۳</sup> جامع البیان فی تفسیر ای القرآن، ابو جعفر محمد بن جریر طبری، المطبعة الکبری، مصر، ۱۳۸۸ھ، ۲۵/۱۰

بِإِنْظَاعَةٍ، فَذَلِكَ دِينُهُ الَّذِي شَرَعَ لَهُمْ ﴿١﴾ اللَّهُ نَّجَّسَ نَبِيًّا كَوْبِحِيَ بِهِجَاجَ هَبَّ اَسَهُمْ  
دِيَاهُ هَبَّ كَهْمَازَ قَامَّ كَيْ جَاءَهُ، زَكُوَّهُ اَدَا كَيْ جَاءَهُ اَوْرَالَهُ كَيْ اطَاعَتُهُ كَأَقْرَارِ كَيْ جَاءَهُ۔  
يَهِيَهِ اللَّهُ كَادِيَنْ جَوَاسَ نَهَانَ كَيْ لَيَهِ مَقْرَرِ كَيْ يَهِيَهِ۔

اب مختلف زمانوں سے تعلق رکھنے والے چند مفسرین کا ذکر کرتے ہیں:

• زمخشری، ابو القاسم جارالله محمود بن عمر (م: ۵۳۸ھ) • قرطبی، ابو عبد الله محمد بن احمد الانصاری (م: ۲۷۱ھ) • نسفي، ابو البرکات عبدالله بن احمد (م: ۱۰۷ھ) • خازن، علاء الدین علی بن محمد بن ابراهیم البغدادی (م: ۷۳۱ھ) • ابوالسعود، محمد بن محمد بن مصطفی العمادی (م: ۹۸۲ھ) • آلوی، شہاب الدین السید محمود البغدادی (م: ۷۰۷ھ)

ان حضرات نے دین کی تشریخ ان الفاظ میں کی ہے:

هُوَ تَوْجِيدُ اللَّهِ وَطَلَاعَتُهُ وَالإِيمَانُ بِرَسُولِهِ وَكُلُّهُ وَبِيَوْمِ الْجَزَاءِ وَسَائِرِ مَا  
يَكُونُ الرَّجُلُ بِإِقَامَتِهِ مُسْلِمًا / مُؤْمِنًا ﴿٢﴾ اس سے مراد ہے اللہ کی وحدانیت  
کا اقرار، اس کی اطاعت، اس کے رسولوں، کتابوں اور یومِ جزا پر ایمان اور ان تمام  
کاموں کی انجام دہی جن پر اس کا مسلم / مؤمن ہونا موقوف ہے۔

ان مفسرین نے دین کے مفہوم میں توحید اور ایمانیات کے ساتھ اطاعتِ الہی، کو بھی  
شامل کیا ہے اور اس کا اطلاق ان تمام اعمال پر بھی کیا ہے جن کی انجام دہی مسلمان ہونے کے لیے  
ضروری ہے۔ چند اور مفسرین کے اقوال ملاحظہ ہوں:

<sup>(۱)</sup> معالم التنزيل، بغوي، تفسير خازن، مطبعة التقدم العلمية، مصر، ۱۳۲۹ھ / ۶، ۹۹

<sup>(۲)</sup> الكشاف عن حقائق التنزيل، زمخشرى، مطبوع مصطفى الباجي، الطبى، مصر، ۱۹۸۳ء، ۳/۲۲۳۔ الجامع لاحكام القرآن، قرطبى، مطبوع مصطفى الباجي، الطبى، مصر، ۱۹۸۷ء / ۱۰۔ مدارك التنزيل، نسفي، مع الشرح الالكلى، مطبع الالكلى، بحران، ۲/۱۳۹؛ لباب التاویل فی معانی التنزيل، خازن / ۶؛ ارشاد العقل السليم الی مزايا الكتاب الكريم برحاشیہ تفسیر کبیر، المطبعة العامة، مصر، ۷/۹۹؛ روح المعانی فی تفسیر القرآن العظيم السبع المثانى، آلوی، ادارۃ الطباعة المخبرية، مصر، ۲۵/۲۱۔ اس عبارت کا آخری لفظ زمخشری، قرطبی، خازن اور نسفي نے "مسلم" اور ابوالسعود اور آلوی نے "مؤمن" استعمال کیا ہے۔

قاضی بیضاوی (م: ۲۸۵ھ) لکھتے ہیں:

**هُوَ الْإِيمَانُ بِمَا يَجُبُ تَضْعِيفُهُ وَظَلَاعَةُ فِي أَحْكَامِ اللَّهِ** اس سے مراد یہ ہے کہ جن چیزوں کی تصدیق ضروری ہے ان پر ایمان لایا جائے اور احکامِ الٰہی کی اطاعت کی جائے۔

علامہ ابن کثیر<sup>ؒ</sup> (م: ۷۷۷ھ) نے لکھا ہے:

وہ دین، جسے لے کر تمام انبیاء آئے ہیں، یہ ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کی جائے اور کسی کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے، جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھی بھیجا اسے وحی کی کہ کوئی معبود نہیں سوائے میرے، اس لیے صرف میری عبادت کرو“۔ اور حدیث میں ہے: ”ہم انبیاء کے درمیان قدر مشترک یہ ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے، اگرچہ ان کے شرائع اور مناجات میں اختلاف ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے شریعت اور منہاج مقرر کر دیا ہے“۔<sup>۱۱۳</sup>

علامہ شوکانی<sup>ؒ</sup> (م: ۱۲۵۰ھ) فرماتے ہیں:

آنَ أَقِيمُوا الدِّينَ آتَى تَوْجِيدَ اللَّهِ وَالْإِيمَانَ بِهِ وَظَلَاعَةَ رُسُلِهِ وَقَبُولَ شَرَائِعِهِ،  
دین کا مطلب یہ ہے: اللہ کی وحدانیت کا اقرار، اس پر ایمان، اس کے رسولوں کی اطاعت اور اس کے احکام پر عمل۔<sup>۱۱۴</sup>

علامہ آلوسی<sup>ؒ</sup> (م: ۱۲۷۰ھ) کا قول اور گزر چکا ہے۔ زیر بحث آیت کے ذیل میں ہی

انھوں نے دوسری جگہ لکھا ہے:

مَا مِنْ رَبِّ إِلَّا وَهُوَ مَأْمُورٌ بِمَا أَمْرَوْا بِهِ مِنْ إِقَامَةِ دِينِ الْإِسْلَامِ وَهُوَ التَّوْجِيدُ وَمَا لَا يَخْتَلِفُ إِلَّا خِلَافُ الْأُمَمِ وَتَبَدِيلُ الْأَعْصَارِ مِنْ أُصُولِ

<sup>۱۱۳</sup> انوار التنزيل واسرار التاویل، بیضاوی، دارحياء التراث، العربي، بیروت، ۵/۲۸

<sup>۱۱۴</sup> تفسیر القرآن العظیم، ابن کثیر، المکتبۃ التجاریۃ الکبری، مصر، ۱۹۳/۳۰، ۱۰۹

<sup>۱۱۵</sup> فتح القدير، الجامع بين فنی الروایة والدرایة من علم التفسیر، شوکانی، دارالمعرفة، بیروت، ۳/۵۳۰

الشَّرَائِعُ وَالْحُكَمُ هُرْبَىٰ ۝ وَهِيَ حُكْمٌ دِيَأَكِيَا جَوْتَمَ اَنْبِيَا کُو دِيَأَکِيَا تَخَا، لَيْتَ دِينَ اسْلَامٍ  
کی اقامت۔ دین سے مراد ہے تو حید اور وہ چیزیں جو امتون اور زمانوں کے بدلتے  
سے نہیں بدلتیں، یعنی اصول شرائع و احکام۔ (روح المعانی، ۲۵/۲۰)

علامہ رشید رضا مصری (م: ۱۳۵۳ھ) فرماتے ہیں:

وَهُمْ لَكُلُّ الْقَوْلِ إِنَّ دِيَنَ اللَّهِ عَلَى الْإِسْلَامِ أَنْبِيَا إِنَّهُ وَاحِدٌ فِي أُصُولِهِ وَمَقَاصِدِهِ، وَهِيَ  
تَوْجِيدُ اللَّهِ وَتَنْزِيهُهُ وَإِثْبَاتُ صِفَاتِ الْكَمَالِ لَهُ وَالْإِخْلَاصُ لَهُ فِي الْأَعْمَالِ،  
وَالْإِيمَانُ بِالْيَوْمِ الْآخِرِ، وَالْإِسْتِعْدَادُ لَهُ بِالْعَمَلِ الصَّالِحِ خَلاصَهُ كَذَلِكَ دِينُ  
اس کے انبیاء کی زبان میں اپنے اصول و مقاصد کے اعتبار سے ایک رہا ہے۔ وہ اصول  
یہ ہیں: اللہ کی وحدانیت کا اقرار، اس کی پاکی بیان کرنا، اس کے لیے صفاتِ کمال کا  
اثبات، اعمال میں اس کے لیے اخلاص، یوم آخرت پر ایمان اور عملِ صالح کے  
ذریعے اس کے لیے تیاری۔ (تفسیر المنار، ۶/۳۱۶-۳۱۷)

مفسرین کی اس فہرست میں قاضی ابن العربي مالکی اور شاہ ولی اللہ کو بھی شامل کر لینا  
چاہیے، جن کے اقتباسات اور پرگزرنے چکے ہیں۔ آخر میں امام فخر الدین رازیؒ (م: ۲۰۳ھ) کی  
راے بھی نقل کردی ہی ضروری معلوم ہوتی ہے۔ انھوں نے لکھا ہے:

ضروری ہے کہ بیہاں دین سے، ان اعمال (جن کا انسانوں کو مکلف کیا گیا ہے) اور  
احکام کے علاوہ کوئی دوسری چیز مراد ہو، اس لیے کہ ان میں باہم اختلاف اور تفاوت  
ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے شریعت اور منہاج  
مقرر کر دیا ہے۔“ اس لیے ضروری ہے کہ دین سے مراد وہ امور ہوں جو شریعتوں کے  
بدلتے سے نہیں بدلتے۔ اور وہ ہیں: اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے  
رسولوںؐ اور یوم آخر پر ایمان۔ ①

اس اقتباس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام رازیؒ کے نزدیک دین سے مراد صرف ایمانیات  
ہیں۔ لیکن آگے چل کر انھوں نے لکھا ہے:

① التفسير الكبير، مجلد ۱۲، جزء ۲، ص ۱۳۸

آلْمَرَادُ هُوَ الْأَخْدُ بِالشَّيْءِ يَعْتَقِي الْمُتَتَفَقِ عَلَيْهَا بَيْنَ الْكُلَّينَ<sup>۱۱</sup> اس سے مراد اس شریعت پر عمل کرنا ہے، جس پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام رازیؒ کے نزدیک اصولِ دین میں ایمانیات کے علاوہ اصول شرعاً بھی شامل ہیں۔

مذکورہ بالا اقوالِ مفسرین پر دوبارہ نظر ڈالی جائے۔ ان سے صاف طور پر یہ دعویٰ غلط قرار پاتا ہے کہ جہور مفسرین نے آیت زیر بحث میں دین سے صرف ایمانیات مراد لی ہیں۔ جہور مفسرین نے یہ بات کہی ہے کہ اس آیت میں دین سے مراد اصولِ دین ہیں۔ فروعِ دین، جو مختلف امتوں میں الگ الگ ہیں اور وہ ان کی مکلف ہیں، وہ یہاں مراد نہیں ہیں۔ البتہ واضح رہے کہ ان مفسرین کے نزدیک یہ اصولِ دین زندگی کے تمام پہلوؤں کو محیط ہیں۔ اس کا اظہار ان کی تشریحات میں استعمال ہونے والے ان الفاظ سے ہوتا ہے: اللہ کی عبادت، اللہ کی اطاعت، اللہ کے رسولوں کی اطاعت، اللہ کے احکام کی اطاعت، اللہ کے احکام پر عمل، اصول شرعاً واحکام وغیرہ۔

#### دین اور شریعت کا بابیمی تعلق

اوپر کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ سورہ شوریٰ کی آیت میں دین سے مراد اصولِ دین ہیں اور فروعِ دین کا تذکرہ سورہ مائدہ کی آیت ۲۸ میں ہے، جہاں انھیں شرعاً و منہاج کہا گیا ہے۔ انھیں شریعت، بھی کہا جاتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا دین اور شریعت کے درمیان کوئی تعلق ہے یا نہیں؟ کیا دین پر عمل ایک چیز ہے اور شریعت پر عمل دوسری چیز؟ کیا دین پر عمل کا حکم دیا جائے تو کچھ چیزیں مراد ہوں گی اور شریعت پر عمل کا حکم دیا جائے تو کچھ دیگر چیزیں مراد ہوں گی؟ بے الفاظ دیگر کیا شریعت پر عمل کرنے سے دین پر عمل کے تقاضے پورے نہیں ہوں گے؟

ان سوالات کا جواب یہ ہے کہ ہر امت ان فروعِ دین پر عمل کی پابند ہے جن کا اسے مکفٰ کیا گیا ہے اور جن فروعِ دین کا دیگر امتوں کو مکفٰ کیا گیا ہے ان پر عمل اس کی ذمہ داری نہیں ہے۔ گویا ہر امت اپنی شریعت پر عمل کی مکفٰ ہے۔ وہ اپنی شریعت پر عمل کرے گی تو

<sup>۱۱</sup> حوالہ سابق

حقیقت میں اپنے دین پر عمل کرنے والی ہوگی۔

علامہ آلویؒ آیت مائدہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

کوئی امت اپنی شریعت سے تجاوز نہیں کر سکتی۔ حضرت موسیؑ کی بعثت سے حضرت عیسیؑ کی بعثت تک جو امت تھی، اس کی شریعت، احکامِ تورات تھے۔ حضرت عیسیؑ اور حضرت احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یعنیوں کے درمیان کی امت کی شریعت، انہیں مذکور تھی، اور اب تمہاری شریعت (اے اہل ایمان) صرف قرآن کی شکل میں موجود ہے، اس لیے اس پر ایمان لاوَا اور اس کے احکام پر عمل کرو۔ (روح المعانی، ۶/۱۵۳)

اس بات کو ایک مثال سے سمجھا جاسکتا ہے۔ تمام انبیاء نے (بہ شمول ان انبیاء کے جن کی صراحة سورہ شوری کی آیت میں موجود ہے) اپنی امتوں کو اللہ کی عبادت کا حکم دیا ہے۔ اس اعتبار سے عبادتِ الہی اصولِ دین میں سے ہوئی۔ عبادت کے طریقے ہر امت کو جدا بتابے گئے ہیں۔ یہ طریقے ”فروعِ دین“ میں سے ہوئے۔ ایک امت ان طریقوں کے مطابق، جن کی اسے تعلیم دی گئی ہے، اللہ کی عبادت کرتے تو وہ اس ”فروعِ دین“ پر بھی عمل کرنے والی ہوئی اور اس ”اصلِ دین“ پر بھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ شریعتِ دین میں شامل ہے۔ شریعت پر عمل گویا دین پر عمل کرنا ہے۔ قدیم مفسرین میں علامہ قطبیؒ نے شریعت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

**الشَّرِيعَةُ مَا شَرَعَ اللَّهُ لِعِبَادَةِ مِنْ الدِّينِ** (تفسیر قرطبي، ۶/۲۱۱) شریعت سے

مرادِ دین کی وہ چیزیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے مشروع کیا ہے۔

دین اور شریعت کے درمیان اسی تعلق کی وضاحت کے لیے با اوقات دونوں ہم معنی

استعمال ہوتے ہیں۔ امام راغب اصفہانی (م: ۵۰۲) نے شریعت کی تعریف میں کی ہے:

**وَاسْتَعِيْرُ لِلشَّرِيعَةِ**<sup>۱۱</sup> لفظِ دین کا استعمال شریعت کے لیے بھی ہوتا ہے۔

یہی بات علامہ شیرزاد مصری نے یوں کہی ہے:

إِنَّ الشَّرِيعَةَ إِسْمٌ لِلْأَحْكَامِ الْعَمَلِيَّةِ وَأَنَّهَا أَخْصُّ مِنْ كَلِمَةِ الدِّينِ وَأَنَّهَا تَنْدُخُ

فِي مُسْمَى الدِّينِ مِنْ حَيْثُ إِنَّ الْعَامِلَ يَهْبِطُ لِلَّهِ تَعَالَى بِعَمَلِهِ وَيَخْطُبُ لَهُ

<sup>۱۱</sup> راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، مصر، ۱۳۲۲ھ، ص ۷۵

وَيَتَوَجَّهُ إِلَيْهِ مُبْتَغِيًا مَرْضَاتَهُ وَتَوَاهَهُ يُبَذِّنِهُ (تفسیر المنار، ۲/۳۱۲)

شریعت عملی احکام کا نام ہے۔ یہ لفظ دین سے زیادہ خاص ہے، بلکہ وہ دین کے مفہوم میں داخل ہے، بایس طور کے اس پر عمل کرنے والا اپنے عمل کے ذریعے اللہ کی اطاعت کرتا ہے، اس کے سامنے سرتسلیم ختم کرتا ہے اور اس کی خوش نودی اور ثواب حاصل کرنے کے لیے اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

یہی نہیں، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ کسی امت کے لیے اپنی شریعت پر عمل کے بغیر دین، پر عمل ممکن ہی نہیں ہے۔ مثال کے طور پر 'صلوٰۃ' (نماز) جو عبادتِ الہی کا ایک مظہر ہے، اصولِ دین میں سے ہے۔ اس کی تعلیم ہر پیغمبر نے اپنی امت کو دی ہے۔ اسی طرح ہر امت کی شریعت میں اس کی ادائیگی کا طریقہ بھی بتایا گیا ہے۔ اب کسی امت کے لیے اپنی شریعت میں بتائے گئے ادائیگی نماز کے طریقے کی پابندی کے بغیر نماز کی اقامت ممکن ہی نہیں۔

شah ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اس موضوع پر حجۃ اللہ، البالغہ میں تفصیل سے بحث کی ہے۔ انھوں نے بیان کیا ہے کہ ”دین کی اصل ایک ہے جس پر تمام امتوں کا اتفاق ہے، البتہ ان کے شرائع و مناجع مختلف ہیں (ان کے کچھ اقتباسات گذشتہ صفحات میں گزر چکے ہیں)۔ ان میں اختلاف کی حکمتوں پر بھی انھوں نے مفصل بحث کی ہے۔ اس بحث میں انھوں نے زور دے کر یہ بات کہی ہے کہ امتیں اپنے اپنے شرائع و مناجع پر عمل کی پابند ہیں۔ کسی امت کے لیے اپنی شریعت پر عمل کے بغیر دین پر عمل ممکن ہی نہیں ہے:

**وَالْحُكُمُ يَعْلَمُ أَنَّ الْقَوْمَ لَا يَسْتَطِيغُونَ الْعَمَلَ إِلَيْهِنَّ إِلَّا إِنْتِلَكَ الشَّرَائِعُ**

**وَالْأَنْتَاهِيَّجِ** (حجۃ اللہ، البالغہ، ۱/۹۲) یہ حقیقت جان لینی چاہیے کہ لوگوں کے لیے

شرائع و مناجع پر عمل کے بغیر دین پر عمل کرنا ممکن ہی نہیں۔

جب دین پر عمل شریعت پر عمل کے بغیر ممکن ہی نہیں تو اس سے خود ہر خود یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ دین پر عمل کا حکم دیا جائے تو اس سے شریعت پر عمل بھی لازم ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے بعض مفسرین نے صراحت کی ہے کہ سورہ شوریٰ کی آیت میں اقامتِ دین کے حکم کا مطلب دین کے اصول اور فروع سب پر عمل کا حکم ہے۔ علامہ عبدالرحمن بن ناصر السعدی (م: ۶۱۳ھ)

موجودہ دور میں عالمِ عرب کے ایک مشہور مفسر ہیں۔ اصولِ تفسیر، فقه و اصولِ فقہ، عقائد اور دیگر موضوعات پر ان کی قبلِ قدر تصانیف ہیں۔ ان کی تفسیر تبیسرالکریم الرحمن فی تفسیر کلام المنان، سات جلدیوں میں ۱۴۰۳ھ میں الرئاسۃ العامۃ لادارات البحوث العلمیۃ والافتاء والدعوة والارشاد ریاض، سعودی عرب سے شائع ہوئی ہے۔ انھوں نے آیتِ سوریٰ کی تفسیر میں لکھا ہے:

(أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ) أَنْي أَمْرَكُمْ أَنْ تُقْيِيمُوا جَمِيعَ شَرَائِعَ الدِّينِ أَصْوْلَه  
وَفُرُوعُه (تبیسرالکریم الرحمن، ۵۹۹/۲) کہ دین قائم کرو، یعنی اللہ نے تمھیں حکم دیا ہے کہ تمام شرائعِ دین، یعنی دین کے اصول اور فروع سب قائم کرو۔

### اختلافِ شرائع کا سبب

شریعتوں کے مختلف ہونے کے کیا اسباب ہیں؟ اس سلسلے میں مفسرین نے دو باتیں لکھی ہیں: ایک تو یہ کہ اس اختلاف کے ذریعے اللہ تعالیٰ بندوں کی آزمائش کرتا ہے کہ وہ اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ شریعتوں کا مختلف ہونا حالات کی بنابر ہوتا ہے۔ بعض حالات میں اللہ تعالیٰ ایک حکم نازل کرتا ہے لیکن جب ان میں تبدیلی آجائی ہے تو اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ اس حکم میں بھی تبدیلی کر دیتا ہے۔ علامہ رحمشڑیؒ نے آیتِ مائدہ کی جو تشریع کی ہے، اس میں یہ دونوں باتیں آگئی ہیں:

لَيَبْلُوْكُمْ فِيهَا أَتَاكُمْ مِّنَ الشَّرَائِعِ الْمُخْتَلِفَةِ، هَلْ تَعْمَلُونَ بِهَا مُذْعِنِينَ  
مُعْتَقِدِينَ أَنَّهَا مَصَالِحٌ قَدْ اخْتَلَفَ عَلَى حَسْبِ الْأَخْوَالِ وَالْأَوْقَاتِ، مُغَرِّبِينَ  
بِإِنَّ اللَّهَ لَمْ يَقُصُّ إِلَّا خِلَافَهَا إِلَّا مَا افْتَضَهُ الْجِنَاحُ، أَمْ تَتَبَعُونَ الشَّبَهَ  
وَتُفْرِطُونَ فِي الْعَمَلِ (کخشاف، ۱/۲۱۸)

تاکہ تم کو آزمائے، کہ اس نے جو مختلف شریعتیں تم کو دی ہیں، کیا ان پر عمل کرتے ہو، اس اعتقاد کے ساتھ کہ یہ مختلف شریعت درحقیقت مصالح ہیں جن میں حالات اور زمانوں کے لحاظ سے فرق ہے، اور اس اعتراف کے ساتھ کہ ان کے اختلاف اللہ تعالیٰ کا مقصد تقاضاًے حکمت کی تکمیل ہے، یا شبہات میں پڑے رہتے ہو اور عمل میں کوتاہی کرتے ہو۔

اختلافِ شرائع کے سلسلے میں ایک بات یہ بھی کہی جاسکتی کہ اس کا ایک مقصد شریعت کا

لتنخص قائم رکھنا ہے۔ اس توجیہ کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے ان احکام کے اسرار معلوم کیے جاسکتے ہیں، جو آپؐ نے مجھ پیہود کے 'تبہ' سے بچنے کے لیے دیے تھے۔

### دین کی 'مکمل' اور 'ناقص' بونیے کی بحث

بعض حضرات کی جانب سے ایک بات یہ کہی گئی ہے کہ سورہ شور کی کی آیت میں الدین کو صرف اساسیاتِ دین کے معنی میں لینا ضروری ہے، اسے 'مکمل دین' کے معنی میں نہیں لیا جاسکتا، کیوں کہ تمام انبیاء کو الدین قائم کرنے کا حکم ملا تھا، مگر حضرت موسیٰؑ کے سوا وسرے پیغمبروں کو سرے سے سیاسی اور قانونی احکام دیے ہی نہیں گئے تھے۔ یہ دلیل ہے بنداد ہے۔ دین کے بارے میں 'مکمل' اور 'ناقص' کی بحث مہم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے واسطے سے اپنے بندوں کو جو احکام دیے ہیں، ان کے لیے ان سب پر عمل ضروری ہے۔ اس نے اپنے جس نبی کو جتنے احکام دیے، ان کی امت کے لیے وہی مکمل دین تھا۔ امام رازیؓ نے اس نکتے کی وضاحت بہت اچھے انداز میں کی ہے۔ امام قفالؓ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

دین کبھی ناقص نہیں تھا۔ وہ ہمیشہ کامل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے میں جو شریعتیں نازل کی تھیں، وہ اپنے وقت میں کامل تھیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ یہ بھی جانتا تھا کہ جو چیز آج کامل ہے، وہ آیندہ کامل نہیں رہے گی۔ اس لیے وہ ان میں سے بعض چیزوں کو منسوخ کرتا اور بعض چیزوں کا اضافہ کرتا رہتا تھا۔ آخری زمانے میں اس نے مکمل شریعت نازل فرمائی اور اس کو قیامت تک باقی رکھنے کا فیصلہ فرمایا۔ حاصل یہ کہ شریعت ہمیشہ کامل تھی۔ پہلے کی شریعتیں ایک مخصوص زمانے تک کے لیے کامل تھیں اور شریعت محمدیؐ قیامت تک کے لیے کامل ہے۔ (تفسیر کبیر، ۳/۳۶۸)

### تکمیلِ دین کا مفہوم

سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِلَيْكُمْ أَنْهِنَا لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَآتَيْنَا لَكُمْ نِعْمَةً كُمْ يُعْبَدُونَ وَرَضِيَّنَا لَكُمُ الْإِسْلَامُ  
دِيْنًا (المائدہ: ۵: ۳) آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر

اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کر لیا۔  
اس آیت میں تکمیل دین سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔  
ابن الجوزیؒ نے پانچ اور ابن العربیؒ نے سات اقوال کا ذکر کیا ہے۔ ① بہت سے مفسرین مثلًا  
زمخشیریؒ، بیضاویؒ، قرطبیؒ اور آلویؒ وغیرہ نے دو اقوال نقل کیے ہیں۔ ان کے مطابق اس کا معنی  
استحکامِ دین بھی ہو سکتا ہے اور تمام احکامِ دین کا نزول بھی۔ ② تکمیل دین کو اگر مؤخر الذکر مفہوم  
میں لیں تو بھی اس سے یہ مفہوم مخالف نہیں نکلا جاسکتا کہ پہلے دین ناقص تھا۔ اس نکتے کی وضاحت  
گذشتہ سطور میں امام رازیؒ کے حوالے سے کی جا چکی ہے۔

بعض مفسرین مثلًا ابن الجوزیؒ اور ابن العربیؒ وغیرہ نے اس کی ایک توجیہ یہ کی ہے، جو  
بہت مناسب ہے کہ اس میں دین، شریعت کے معنی میں ہے اور اس کی تکمیل سے مراد یہ ہے کہ یہ  
شریعت اب قیامت تک کے لیے ہے، دیگر شریعون کی طرح اب وہ منسوب نہیں ہوگی۔ ③

### سورہ شوریٰ کیے محتوى بونے کا معاملہ

ایک بات یہ کہی گئی ہے کہ سورہ شوریٰ مکی ہے۔ یہ عہدِ مکّی کے درمیانی دور میں نازل ہوئی  
تھی۔ اس کے نزول کے وقت تکمیل دین نازل نہیں ہوا تھا۔ اس وقت تک جتنا قرآن نازل ہوا تھا،  
اس میں توحید، رسالت اور آخرت کا بیان تھا۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حجّ اور جہاد وغیرہ کے احکام بعد  
میں نازل ہوئے۔ لہذا، اس سورہ میں جب دین قائم کرنے کا حکم دیا گیا تو اس سے دین کی وہی  
بنیادی تعلیمات (توحید، رسالت، آخرت) مراد ہوگی، جن کا بیان ہو چکا تھا۔ جو احکام ابھی نازل  
ہی نہیں ہوئے تھے انھیں کیوں کراس کے مدلول میں شامل کیا جاسکتا ہے؟“

یہ اعتراض کرتے وقت بعض باقیوں کو خلط ملطک کر دیا گیا ہے اور ان کے ذریعے غلط فہمی پیدا  
کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جس زمانے میں جو حکم دیا ہے اس پر عمل

① زاد المیسر، ۲۸۸/۲، احکام القرآن، ۱، ۲۲۸

۲) کشف، ۱، ۵۹۳/۱، بیضاوی، انوار التنزیل (تفہیم بیضاوی) مطبع احمدی، دہلی، ۱/۲۱۵

تفسیر قرطبی، ۲/۶۱-۶۲

۳) زاد المیسر، ۲۸۸/۲، احکام القرآن، ۱، ۲۲۸

کے وہ پابند ہیں۔ بعد میں اس نے اس سے متعلق کچھ اور جزئی احکام دیے تو ان اضافہ شدہ احکام پر بھی عمل ان کے لیے لازم ٹھیک اور وہ بھی سابقہ حکم کے ملول میں شامل ہو گئے۔

مثال کے طور پر کلی سورتوں میں سے سورہ روم (آیت ۳۱)، سورہ انعام (آیت ۷۲) اور سورہ اعراف (آیت ۲۹) میں نماز قائم کرنے کا حکم موجود ہے۔ سورہ روم، بھرت جب شہ کے موقعے پر، یعنی نبوت کے پانچویں سال اور سورہ انعام اور سورہ اعراف مکی دور کے آخر میں نازل ہوئی تھیں۔ اس وقت تک نماز کے سلسلے میں جتنے احکام نازل ہو چکے تھے، حضرات صحابہؓ انہی احکام پر عمل کے پابند تھے۔ بھرت مدینہ کے بعد نماز کے تفصیلی احکام بیان کیے گئے، طہارت اور وضو کے آداب اور طریقے بتائے گئے۔ اب **أَقِيمُوا الصَّلَاةَ** کے حکم میں یہ تمام تفصیلات بھی شامل ہو گئیں۔ اس وقت تمام صحابہ، خواہ وہ قدیم الاسلام ہوں یا بھرت مدینہ کے بعد انہیں قبولِ اسلام کی سعادت حاصل ہوئی، اقامتِ صلوٰۃ کے حکم میں نماز کے بارے میں اس وقت تک نازل ہونے والے تمام جزئی احکام کو شامل سمجھتے تھے اور ان پر عمل کرتے تھے۔ وہ یہ تفہیق نہیں کرتے تھے کہ مکی سورتوں میں **أَقِيمُوا الصَّلَاةَ** کا مطلب کچھ اور ہے اور مدنی سورتوں میں کچھ اور۔

یہی معاملہ زکوٰۃ کا ہے۔ اس کی ادائیگی کا حکم (**أَنْوَاعُ الزَّكُوٰۃِ**) بھرت مدینہ کے بعد ابتدائی زمانے میں نازل ہونے والی سورتوں میں موجود ہے، **مثلاً الْمِقْرَبَةِ** (آیات: ۳۳، ۸۳، ۱۱۰)، النساء (آیت ۷۸)، المزمل (آیت ۲۰)۔ اسی طرح اس کا حکم سورہ نور (آیت ۵۶) اور سورہ مجادلہ (آیت ۱۳) میں بھی ہے، جو ۵ بھرتی میں نازل ہوئی تھیں۔ اس وقت تک زکوٰۃ کے بارے میں جتنا حکم دیا گیا تھا اس پر عمل مطلوب تھا۔ زکوٰۃ کے مصارف کا بیان سورہ توبہ (آیت ۲۰) میں ہوا ہے، جو غزوہ توبوک (۹ بھری) کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اس کے نصاب کا تعین بھی فتح مک (۸ بھری) کے بعد ہوا ہے۔ ان احکام کے نازل ہونے کے بعد **أَنْوَاعُ الزَّكُوٰۃِ** کے ملول میں یہ جزئی احکام بھی شامل ہو گئے۔ بعد کے مسلمان مدنی دور کی ابتدائی میں نازل ہونے والی سورتوں میں **أَنْوَاعُ الزَّكُوٰۃِ** پڑھیں گے تو اس پر ان کا عمل اسی وقت صحیح ہو گا جب وہ زکوٰۃ کی ادائیگی اس کے تفصیلی اور جزئی احکام کے مطابق کریں گے۔ امت کی پوری تاریخ میں کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ عہد نبوی کے بعد مسلمان ادائیگی زکوٰۃ کے حکم کے معاملے میں ابتدائی مدنی دور میں نازل ہونے والی اور آخری

مدنی دور میں نازل ہونے والی سورتوں میں فرق کریں گے۔ اول الذکر سورتوں میں آئُوا الزَّكُوٰةَ سے مراد کچھ اور لیں گے اور آخر الذکر سورتوں میں کچھ اور۔

انھی دونوں مثالوں پر **أَقِيمُوا الْدِينَ** کے حکم کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔ سورہ شوریٰ مکی عہد کے درمیانی عرصے میں نازل ہوئی تھی۔ اس وقت تک دین کے جتنے احکام نازل ہو چکے تھے وہ اقامتِ دین کے حکم میں شامل تھے۔ بعد میں جوں جوں مزید احکام دین نازل ہوتے گئے، وہ بھی اس میں شامل ہوتے گئے، یہاں تک کہ جب تکمیل دین کا اعلان کردیا گیا تو **أَقِيمُوا الْدِينَ** کے حکم کے تحت پورے دین پر عمل لازم ہیم۔ اب بعد کے مسلمانوں کے لیے یہ کہنا روانہ نہیں ہے کہ **أَقِيمُوا الْدِينَ** کا اطلاق دین کی صرف ان تعلیمات پر ہوگا جو اس آیت کے وقت نزول تک آچکی تھیں۔

#### نفاذِ احکام میں قرآن کی ترتیبِ نزولی کا اعتبار

ایک عجیب و غریب اعتراض یہ وضع کیا گیا ہے کہ مولا نامودودیؒ اور ان کے ہم نواحکامِ دین کے بیان اور نفاذ میں قرآنؐ کریمؐ کی ترتیبِ نزولی کا اعتباً نہیں کرتے۔ وہ قرآنؐ کو ایک ریفرنس بک کے طور پر لے کر اس سے احکامِ دین کی فہرست مرتب کرنے لگتے ہیں، جب کہ ہر دور میں علمانے اس بات کی تصریح کی ہے کہ قرآنی تعلیمات پر عمل آوری، نزولی ترتیب ہی کے مطابق ہوگی۔

یہ بات کہ احکام قرآنی کے بیان اور نفاذ میں اس کی نزولی ترتیب کا اعتبار کیا جائے گا، انتہائی غلط ہے اور یہ دعویٰ کہ ہر دور میں علمانے یہی کہا ہے، بلا دلیل ہے۔ دعویٰ کرنے والوں نے کسی ایک عالم کا بھی نام ذکر نہیں کیا ہے۔ اُمت کی پوری تاریخ میں کسی عالم نے یہ بات نہیں کی ہے۔ کوئی عالم ایسی مہمل بات کہہ بھی کیسے سکتا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ قرآنؐ کریمؐ ایک کتاب کی صورت میں دفعتاً نازل نہیں ہوا ہے، بلکہ ۲۳ سال کے عرصے میں حالات اور ضروریات کے مطابق تھوڑا تھوڑا نازل کیا گیا ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ نزول قرآنؐ کے زمانے میں وجوبِ احکام میں مدرنے پیش نظر رہی ہے۔ لیکن مدرسی مرحلے سے گزرنے کے بعد کوئی حکم جب اپنی آخری شکل میں آگیا تو آیدہ اس کے بیان اور نفاذ میں اس آخری شکل کو سامنے رکھا گیا۔ اس کے مدرسی مرحلے کی رعایت نہیں کی گئی۔ مثال کے طور پر مکی دور میں احکام کا نزول ہوا، لیکن بعد میں اسلام قبول کرنے والوں کے معاملے میں کبھی اس کی

رعایت نہیں کی گئی کہ ایک طویل عرصے تک انھیں صرف توحید، رسالت اور آخرت کی باتیں گوش گزار کی گئی ہوں، پھر بتدریج تھوڑے تھوڑے احکام سے انھیں روشناس کرایا گیا ہو۔

مختلف احکام کا نزول بھی عہدِ نبوی میں بتدریج ہوا، مثلاً کمی سورتوں، سورۃ بنی اسرائیل (آیت ۳۲)، سورۃ فرقان (آیات ۲۸-۲۹) اور سورۃ مونون (آیات ۵-۷) میں زنا کی مذمت اور اس سے بچنے کی تلقین کی گئی۔ پھر مدینہ کے ابتدائی دور میں نازل ہونے والی بعض سورتوں (مثلاً: سورۃ النساء، آیت ۱۵) میں اس سے متعلق کچھ احکام دیے گئے۔ آخر میں ۶ بھری میں نازل ہونے والی سورۃ نور (آیت ۲) میں زنا کی سزا کا بیان ہوا۔ اسی طرح شراب کی حُرمت بھی بتدریج ہوئی۔ پہلے سورۃ بقرہ (آیت ۲۱۹) میں بتایا گیا کہ شراب میں گناہ ہے۔ پھر سورۃ نساء (آیت ۳۳) میں یہ حکم دیا گیا کہ نماز کے موقعے پر شراب نوشی سے اجتناب کیا جائے۔ آخر میں سورۃ مائدہ (آیات ۹۰-۹۳) کے ذریعے اس کی قطعی حُرمت کا اعلان کر دیا گیا۔ لیکن بعد میں اسلام قبول کرنے والوں پر ان احکام کا نفاذ بتدریج نہیں کیا گیا کہ پہلے انھیں کچھ عرصے تک ارتکابِ زنا اور شراب نوشی کی چھوٹ دی گئی ہو اور پھر ان سے روکا گیا ہو اور ان کی حُرمت بیان کی گئی ہو۔

كتب سیرت میں وفیٰ تحقیق کے بارے میں جو تفصیلات بیان کی گئی ہیں، ان سے اس سلسلے میں بڑی رہنمائی ملتی ہے۔ غزوہ تبوک (۹ بھری) کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بہت سے دو مختلف علاقوں سے آئے اور قبول اسلام کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ ان میں طائف کے قبیلہ تحقیق کا وفد بھی تھا۔ ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا مگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خواہش کی کہ انھیں نماز سے معاف رکھا جائے۔ آپ نے ان کی یہ بات منظور نہیں کی۔<sup>۱۱</sup> اسی طرح ان لوگوں نے سود خوری، زنا کاری اور شراب نوشی کی آپ سے اجازت چاہی اور کہا کہ ہمارے لیے ان کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ مگر آپ نے ان چیزوں کی حُرمت بتاتے ہوئے ان کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ (السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر، ۲/۲۶)

اسی طرح آج کے دور میں جب اسلام کا تعارف کرایا جائے، یا اس کی تعلیمات اور احکام

<sup>۱۱</sup> سیرۃ النبی، ابن ہشام، مصر ۱۹۳۷ء، ۲/۱۹؛ السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۹۸۳ء، ۲/۵۶۔

لوگوں کے سامنے پیش کیے جائیں تو ضروری ہے کہ مکمل اسلام سے انھیں آگاہ کیا جائے اور اس کے تمام عقائد و ایمانیات اور شرائع و احکام بیان کیے جائیں۔ تکمیلِ دین کے بعد احکام و شرائع کو بیان کرنے میں تدریج ملحوظ رکھنا کسی طور پر صحیح نہیں ہے۔

### بر شخص بقدر استطاعت مکلف بہ

اعتراف کرنے والے دراصل ایک خلطِ بحث کا شکار ہوئے ہیں۔ انہوں نے جس معاملے کو احکامِ اسلام کے بندروں نفاذ سے جوڑنے کی کوشش کی ہے، اس کا تعلق ایک دوسرے اصول سے ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر شخص بقدرِ استطاعت مکلف ہے۔ اس اصول پر قرآن و سنت کی متعدد نصوص دلالت کرتی ہیں۔ قرآن کریم میں ہے:

**لَا يَكْلُفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا** (البقرہ ۲۸۶:۲)

اللَّهُ كَسِيْفَسْ پر اس کی

مقدرات سے بڑھ کر ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا۔

یہ مضمون قرآن کریم کی متعدد آیات میں بیان ہوا ہے (ملاحظہ تکمیل البقرہ ۲۳۳، الانعام: ۱۵۲، الاعراف: ۳۲، المؤمنون: ۱۲، الطلاق: ۷ وغیرہ)۔

اسلام کے احکام و شرائع اپنی جزئیات و تفصیلات کے ساتھ بیان کیے جائیں اور ہر شخص ان میں سے اتنے حصے کا مکلف ہوگا، جتنے کی وہ استطاعت رکھتا ہو۔ مثال کے طور پر احکام طہارت بیان کرنا ہو تو پانی کے ذریعے وضو کا طریقہ اور پانی نہ ہونے کی صورت میں تمیم کا طریقہ دونوں کو بیان کیا جائے گا۔ جو شخص پانی سے محروم ہو یا پانی ہوتے ہوئے بھی وضو نہ کر سکتا ہو، وہ وضو کا مکلف نہ ہوگا، اس کے لیے تمیم کفایت کرے گا۔ احکام نماز کے ضمن میں قیام، رکوع، سجدہ اور دیگر تفصیلات بیان کی جائیں گی۔ اب جو شخص بیماری یا کسی اور غذر سے کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا مکلف نہ ہوگا۔ وہ بیٹھ کر نماز پڑھے گا۔ بیٹھ کر بھی نہ پڑھ سکتا ہو تو یہ کر کر پڑھے گا۔ بلے جلنے پر قادر نہ ہو تو اشارے سے پڑھے گا۔

زکوٰۃ، روزہ اور حجج کے احکام بیان کیے جائیں گے۔ جوان کی استطاعت رکھتے ہوں گے وہ ان کے مکلف ہوں گے اور جو استطاعت نہیں رکھتے ہوں گے وہ مکلف نہیں ہوں گے۔ اس اصول کو علماء اسلام نے بھی اپنی تصانیف میں بیان کیا ہے۔ علامہ ابو سحاق شاطبیؒ (۹۰۷ھ) کی کتاب

الموافقات فی اصول الشریعه، علم شریعت کے موضوع پر بڑی اہم تصنیف ہے۔ اس میں مذکور ہے:

ثَبَّتَ فِي الْأُصُولِ أَنَّ شَرْطَ التَّكْلِيفِ أُوْسَبَيَّةُ الْقُدْرَةُ عَلَى الْمُكَلَّفِ بِهِ فَمَا لَا قُدْرَةَ لِلْمُكَلَّفِ عَلَيْهِ لَا يَصْحُّ التَّكْلِيفُ بِهِ شَرْعًا<sup>۱۱</sup> اصول شریعت میں یہ بات ثابت شدہ ہے کہ کسی شخص کے کسی چیز کے مکلف ہونے کی شرط یا سبب یہ ہے کہ وہ اس پر قادر ہو۔ جس کام کے کرنے کی وہ قدرت نہ رکھتا ہو، اس کا اسے مکلف قرار دینا شرعی طور پر صحیح نہیں ہے۔

اسی طرح جب اسلام کا تعارف کرایا جائے گا تو اس کے عقائد و ایمانیات کو بھی بیان کیا جائے گا، عبادات کی تفصیلات بھی پیش کی جائیں گی، معاملات سے متعلق اس کے احکام کا بھی تذکرہ کیا جائے گا، دیوانی اور فوج داری قوانین بھی زیر بحث آئیں گے۔ سماجی، معاشری اور سیاسی میدانوں میں اس کی تعلیمات سے بھی آگاہ کیا جائے گا، غرض مکمل اسلام پیش کیا جائے گا لیکن افراد اپنے اپنے حالات اور استطاعتوں کے مطابق مکلف ہوں گے۔ جو لوگ کسی وجہ سے بعض احکام پر عمل سے معذور ہوں گے وہ ان کے مکلف ہی نہیں ہوں گے۔

#### اقامتِ دین کا تقاضا اجتماعی جدوجہد

ایک بات یہ کہی گئی ہے کہ سورہ شوریٰ میں اقامتِ دین کا جو حکم دیا گیا ہے، اس کے مخاطب افرادِ امت انفرادی طور پر ہیں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ دین کو اپنی ذات پر قائم کرو اور اس کے احکام پر خود عمل کرو۔ اس میں دوسروں کو دعوت دینے اور ان کے درمیان دین کی تبلیغ کے لیے اجتماعی طور سے جدوجہد کرنے کا مفہوم نہیں پایا جاتا۔ یہ بات بھی صحیح نہیں ہے۔ متعدد مفسرین نے صراحت کی ہے کہ اس میں دوسروں کو دعوت دینے کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔

علامہ ماوردیؒ (م: ۵۰۵) فرماتے ہیں:

أَنَّ أَوْيَمُوا الْدِينَ: فِيهِ وَجْهَانِ، أَحْدُهُمَا، إِنْجَلُوا بِهِ، الثَّانِي: أُدْعُوا إِلَيْهِ، وَيَحْتَسِلُ وَجْهًا ثَالِثًا: جَاهَدُوا عَلَيْهِ مِنْ عَانَدَهُ<sup>۱۲</sup> دین کو قائم کرنے کی دو

<sup>۱۱</sup> المowaqat فی اصول الشریعه، شاطبی، مصر، ۷۰۰ھ

<sup>۱۲</sup> ماوردی، النکت و العیون (تفسیر الماوردي)، الکویت، ۱۹۸۲ء، ۳/۵۱۳

توجیہات ہو سکتی ہیں: ایک یہ کہ اس پر عمل کرو، دوسری یہ کہ اس کی طرف دعوت دو۔ اس میں ایک تیسری توجیہ کا بھی احتمال ہے، وہ یہ کہ جو اس سے دشمنی رکھے اس سے جگنگ کرو۔

علامہ قرطبیؒ (م: ۱۷۶ھ) اور علامہ ابو حیان الاندیشیؒ (م: ۲۵۷ھ) دونوں نے لکھا ہے:

(أَنْ أَقِيمُوا الدِّينُ أَتَيْ إِجْعَلُوهُ قَائِمًا، يُبَرِّدُ دَائِمًا مُسْتَبِرًا مَخْفُوظًا مُسْتَقِرًّا مِنْ غَيْرِ خَلَافٍ فِيهِ وَلَا اضْطَرَابٍ<sup>۱۱</sup> دین کو قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ساتھ ایسا معاملہ کرو کہ وہ ہمیشہ قائم، جاری و ساری، محفوظ اور مستحکم رہے۔ نہ کوئی اس کی مخالفت کرے اور نہ اس کی تعلیمات میں کوئی اضطراب پیدا ہو۔

علامہ ابوالسعون العمادیؒ (م: ۹۸۲ھ) فرماتے ہیں:

الْبُرَادُ يِبَاقَامِتِهِ تَعْدِيْلُ أَنْ كَارِبَهُ، وَحَفْظُهُ مِنْ أَنْ يَقْعَ فِيهِ زَيْفُ، أَوْ الْبُؤْأَكْبَهُ  
وَالْتَّشَهِيْلَهُ<sup>۱۲</sup> دین کی اقامت سے مراد یہ ہے کہ اس کے ارکان کو ٹھیک طریقے سے ادا کیا جائے، اس میں زلف و انحراف آنے سے اس کی حفاظت کی جائے، پابندی کی جائے اور اس کے لیے سرگرم رہا جائے۔

شاه ولی اللہ نے الدین کے مفہوم میں ان جیزوں کو بھی شامل کیا ہے:

إِقَامَةُ الْعَدْلِ بَيْنَ النَّاسِ، وَتَحْرِيمُ الْمَظَالِمِ، وَإِقَامَةُ الْحُدُودِ عَلَى أَهْلِ الْبَغْيِ، وَالْجِهَادُ مَعَ أَعْدَاءِ اللَّهِ، وَالْإِجْتِهَادُ فِي إِشَاعَةِ أَمْرِ اللَّهِ وَدِينِهِ (حجۃ اللہ البالغہ، ۱/۸۷) اور لوگوں کے درمیان عدل قائم کرنا، ایک دوسرے پر ظلم نہ کرنا، اہل معاصی پر حدود قائم کرنا، اللہ کے دشمنوں کے ساتھ جہاد کرنا، اللہ کے حکم اور دین کی اشاعت کے لیے جدوجہد کرنا۔

شیخ عبدالرحمٰن السعدیؒ (م: ۲۷۱۳ھ) فرماتے ہیں:

<sup>۱۱</sup> تفسیر القرطبی، ۱۲/۱۱، البحر المحيط، ابو حیان الاندیشی، دار الفکر، بیروت، ۱۳۲۰ھ، ۹/۳۲۹۔

<sup>۱۲</sup> ارشاد العقل السليم: ۷/۲۲۰، یہی تشریح علامہ آلویؒ (م: ۱۲۰۷ھ) نے بھی کی ہے۔ روح المعانی، ۲۵/۲۱۔

(أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ) تُقَيِّمُوهُ لَا يَنْفِسُكُمْ وَتَجْعَلُونَ فِي إِقَامَتِهِ عَلَىٰ غَيْرِكُمْ  
وَتُعَاوَنُونَ عَلَى الْبِرِّ وَالثَّقْوَىٰ وَلَا تُعَاوَنُونَ عَلَى الْإِلَاثِمِ وَالْعُدُوانِ (تيسیسر  
الکریم الرحمن، ۵۹۹/۶) دین کو قائم کرنے سے مراد یہ ہے کہ تم اسے اپنی ذات پر  
قائم کرو اور رسول پر بھی اسے قائم کرنے کی کوشش کرو اور نیکی اور تقویٰ کے کاموں  
میں تعاون کرو اور بُرا کی اور جارحیت کے کاموں میں تعاون نہ کرو۔

ان تشریحات سے واضح ہے کہ اقامۃِ دین کا مطلب صرف انفرادی طور پر دین کی  
پیروی نہیں ہے، بلکہ اس میں دین کی دعوت و اشاعت، اس کی حمایت و حفاظت اور اس کے نفاذ کی  
کوششیں بھی شامل ہیں۔

جماعتِ اسلامی اور اس کے بانی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے مکمل اسلام پر عمل کرنے  
اور اس کی طرف دعوت دینے کا جو تصور پیش کیا ہے، وہ صرف کسی ایک آیت پر مختص نہیں ہے۔  
قرآن کریم میں بہ کثرت آیات ہیں، جن میں سے بعض میں صراحةً سے اور بعض میں اشاروں  
میں اس کا حکم دیا گیا ہے اور اسے امت مسلمہ کا فرضِ منصبی قرار دیا گیا ہے۔ اس ضمن میں زیر بحث  
موضوع پر متعدد کتابیں موجود ہیں، مثلاً: فریضہ، اقامۃِ دین (مولانا صدر الدین اصلحیؒ)،  
اساسِ دین کی تعمیر (صدر الدین اصلحیؒ)، اقامۃِ دین: اسلام کا تقاضا (مولانا سید حامد  
علیؒ)، اقامۃِ دین فرض بے (مولانا سید احمد عروج قادریؒ)، امت مسلمہ، کا نصب العین  
(مولانا سید احمد عروج قادریؒ)، اقامۃِ دین کا سفر (ڈاکٹر فضل الرحمن فریدیؒ)۔ جو حضرات اس  
موضوع پر سنجیدگی سے مطالعہ کرنا چاہتے ہیں انھیں ان کتابوں سے رجوع کرنا چاہیے۔

---